اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:4، شمارہ:1 (جنوری تا جون 2026ء)

Urdu Research Journal Tashkeel ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286
Article Received: 17-03-2026 / Accepted: 20-06-2026 / Published: 30-06-2026
https://creativecommons.org/licenses/by-nc/4.0/
Doi: https://doi.org/10.66457/tashkeel.v4i1.64

نورین اختر

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو ،وفاقی اُردو یونیورسٹی اسلام آباد

علامہ اقبال کے کلام میں تصورِ فنا و بقا

Noreen Akhtar
Ph.D Urdu Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad.
Email: noreenakhtar405@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0009-2484-3866
Dr. Fahmida Tabassum
Associate Profesor, Chairperson Department of Urdu, FUUAST, Islamabad.
Email: fehmida.tabassum@fuuast.edu.pk
ORCID: https://orcid.org/0009-0005-0252-0039

The Concept of Fana and Baqa in the Poetry of Allama Iqbal

ABSTRACT
Allama Iqbal's concept of Fana and Baqa is a central element of his philosophy of Khudi, rooted in Islamic mysticism yet presented in a dynamic and practical form. For Iqbal, Fana does not dignify the negation of the self but its affirmation, while baqa represents the perfection of the self and the attainment of eternal life. Iqbal views life after death as a continuation of existence rather than its end. He considers death a transitional stage in the evolutionary journey of the self. The survival or destruction of the self depends upon human actions, as righteous deeds lead to eternal life. In a materialistic age, Iqbal's philosophy offers humanity hope, purpose, and a call to continuous struggle and action.
Keywords: *Allam Iqbal, Baqa, Fana, Khudi, Existence, Survival, Evolution, Selfness, Struggle, Dynamic, Eternal, Humanity*

علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کے وہ عظیم مفکر، شاعر اور فلسفی ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب کے فکری سرمایے کو یکجا کر کے انسانی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو اجاگر کیا۔ ان کا کلام محض شاعری نہیں بلکہ ایک فکری اور روحانی انقلاب کا پیش

خیمہ ہے۔ اقبال کے افکار میں جہاں عشق، خودی، عمل اور یقین جیسے تصورات نمایاں ہیں وہیں تصورِ فنا و بقا بھی ان کی فکر کا ایک نہایت اہم اور گہرا پہلو ہے۔ تصورِ فنا و بقا اسلامی تصوف کی روح ہے۔ اقبال نے اس صوفیانہ نظریے کو محض تقلیدی انداز میں قبول نہیں کیا بلکہ اسے اپنے فلسفۂ خودی کی روشنی میں از سرِ نو تعبیر کیا۔ اقبال کے ہاں فنا و بقا روحانی سفر کی دو منزلیں ہیں: پہلی میں انسان اپنے محدود وجود سے بلند ہوتا ہے اور دوسری میں وہ ابدی و الٰہی حیات کا حصہ بن جاتا ہے۔ اقبال کے کلام میں یہ تصور نہ صرف صوفیانہ رنگ رکھتا ہے بلکہ اس میں عملی زندگی کا پیغام، انسان کی خود آگاہی اور کائناتی ذمہ داری کا احساس بھی شامل ہے۔ اقبال کے تمام نظریات کی بنیاد توحید پر ہے۔ اقبال توحید، رسالت، حیات بعد الموت جیسے تمام نظریات میں ایمان کو بنیادی شرط سمجھتے ہیں۔ توحید انسانی زندگی کا محور ہے اس کے بغیر انسان کی بقا ممکن ہی نہیں۔ ضربِ کلیم اقبال اسی پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ

خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ (1)

جذبہ توحید انسان کو ہر ڈر اور خوف سے نجات دے کر دنیا میں اسے سرخرو کرتا ہے۔ توحید کے ساتھ ساتھ اقبال رسالت پر بھی ایمان کو لازمی جزو سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ان دو ارکان پر ایمان ایک انسان کو دائرہ اسلام میں داخل کرتا ہے اور کسی ایک سے بھی انکار اسلام کی حدود سے خارج کر دیتا ہے۔

عام طور پر لوگ موت کو ایک ایسا واقعہ سمجھتے ہیں جو مستقبل میں پیش آئے گا۔ اس تصور کی وجہ سے انسان موت سے خوف محسوس کرتا ہے اور اس کے بارے میں سوچنے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر کے مطابق زندگی مختلف عناصر کے ایک خاص نظم سے وجود میں آتی ہے اور موت ان عناصر کے بکھر جانے کا نام ہے۔ مسلم مفکر ابنِ مسکویہ کے نزدیک موت دراصل ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ ان کے مطابق لوگ موت سے اس لیے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے یا انہیں اپنے گناہوں کی سزا کا خوف ہوتا ہے۔ اگر انسان عقل سے کام لے اور نیک زندگی گزارے تو موت کا خوف کم ہو جاتا ہے۔

وجودی مفکر کیرکیگارڈ کے نزدیک موت صرف مستقبل کا واقعہ نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر لمحہ انسان کے ساتھ موجود ہے۔ چونکہ انسان کو نہیں معلوم کہ موت کب آئے گی اس لیے یہ احساس اسے سنجیدہ بناتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے فیصلے زیادہ ذمہ داری سے کرنے لگتا ہے۔ جرمن فلسفی ہائیڈیگر کے مطابق انسان ایک ایسا وجود ہے جو اپنی موت سے آگاہ ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں موت زندگی کا آخری امکان ہے۔ جب انسان اس حقیقت کو قبول کر لیتا ہے تو وہ عام اور سطحی زندگی سے نکل کر زیادہ حقیقی اور بامعنی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ فرانسیسی فلسفی ژاں پال سارتر موت کو ایک حد تک لغو یا بے معنی واقعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق موت اچانک آکر انسان کے

منصوبوں کو ادھورا چھوڑ دیتی ہے۔ تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی کے فیصلوں میں آزاد ہے اور اسے اپنی زندگی کی ذمہ داری خود اٹھانی چاہیے۔

مجموعی طور پر وجودی مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ موت انسان کی زندگی کی ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ اگر انسان موت کے شعور کو قبول کرلے تو وہ اپنی زندگی کو زیادہ سنجیدگی، ذمہ داری اور مقصد کے ساتھ گزار سکتا ہے۔ اس طرح موت کا تصور انسان کو مایوس کرنے کے بجائے اسے باشعور اور بامعنی زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وجودی فلسفے کے مطابق انسان ایک آزاد ہستی ہے اور اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتا ہے۔ اس فلسفے میں موت کو زندگی کی آخری حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ جب انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اسے ایک دن مرجانا ہے تو وہ اپنی زندگی کو زیادہ سنجیدگی سے جینے کی کوشش کرتا ہے۔ وجودی مفکرین کے نزدیک موت انسان کو اپنی زندگی کے معنی تلاش کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وجودی فلسفے میں موت زیادہ تر ایک انفرادی اور دنیاوی حقیقت کے طور پر بیان ہوتی ہے جبکہ اقبال کے نزدیک موت کا تعلق روحانیت اور خدا سے قربت کے ساتھ ہے۔ وجودی فلسفہ انسان کو اپنی آزادی اور ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے جبکہ اقبال انسان کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو خدا کی رضا اور اعلیٰ مقاصد کے مطابق گزارے۔ اس کے برعکس اقبال کے تصورِ فنا و بقا میں موت کو صرف اختتام نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ ایک نئی اور بلند تر زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک انسان کی اصل حقیقت خودی ہے۔ جب انسان اپنی خودی کو مضبوط کرتا ہے اللہ سے تعلق قائم کرتا ہے اور اعلیٰ اخلاقی زندگی گزارتا ہے تو وہ فنا کے بعد بقا حاصل کرتا ہے یعنی اس کی روحانی زندگی جاری رہتی ہے۔ اگر دونوں نظریات کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں انسان کو بامقصد اور شعوری زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وجودی فلسفہ موت کو زندگی کا آخری مرحلہ سمجھتا ہے جبکہ اقبال کے نزدیک موت فنا کے بعد بقا اور روحانی ارتقا کا ذریعہ ہے۔ اسلامی تصوف میں فنا سے مراد انسانی "مَیں" کا مٹانا نہیں بلکہ اس کا مکمل طور پر خدا کی ذات کے سپرد کر دینا ہے۔ اسلامی تصوف کا نصب العین ایک ایسا مقام ہے جو فنا کے مقام سے آگے ہے یعنی مقام بقا جو اثباتِ خودی کا بلند ترین مقام ہے۔ بقولِ اقبال:

تو رازِ کُن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا(2)

اقبال نے تصوف کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا ذریعہ بنایا ہے جہاں جاکر وہ بارگاہِ الٰہی سے شکوہ کرتا ہے اور قوم کے لیے زندگیٔ عمل کی بھیک مانگتا ہے۔ اقبال کے نزدیک حقیقت الٰہی تک پہنچنے کا واحد راستہ عشق اور وجدان ہے۔ علم اور فکر رہنمائی تو کر سکتے ہیں لیکن عشق کے بغیر خدا کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ جس شخص کی خودی یا انفرادیت مکمل ہو وہ مر نہیں سکتا۔ خودی غیر فانی ہے، یہ ارتقاء پذیر ہے، مسلسل منازل طے کرتی ہے اور آخر کار فطرت کو تسخیر

کرتی ہوئی خود درجۂ خدائی حاصل کر لیتی ہے۔انسان کا وجود خدائے لم یزل کا ایک قطرہ ہے۔صفات ایزدی انسان میں ودیعت ہوتی جاتی ہیں۔ انسان نامعلوم کتنے زمانوں سے گزر کر انسانیت کے بلند مقام پر پہنچتا ہے اور اس کی خودی جزو سے کل میں تبدیل ہو جاتی ہے انسان کی خودی مرکز میں فنا ہو کر ابدیت حاصل نہیں کرتی مرکز کو اپنے اندر جذب کر کے خود مرکز بن جاتی ہے۔

اقبال حیات بعد موت پر یقین رکھتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں ان کے دلائل دلچسپ بھی ہیں اور سائنٹیفک بھی۔سائنس کا ایک مبتدی جانتا ہے کہ اشیاء کی تبدیلی اشکال یا باہمی ترکیب و تحلیل سے مختلف صورتوں کا ظہور ہوتا ہے۔برف سے پانی اور پانی سے برف ایک ہی مرکب کی کئی حالتیں ہیں۔اسی طرح انسان بھی اپنی ہئیت اور شکل تبدیل کرتا رہتا ہے وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ انسانی نظروں سے چھپ جاتا ہے:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صُبحِ دوامِ زندگی (3)

گویا زندگی وہ فرصت ہے جس میں خودی کو عمل کے لاانتہا مواقع میسر آتے ہیں اور موت اس کا پہلا امتحان ٹھہرتا ہے تاکہ اس کو اپنے اعمال و افعال کی پختگی کا اندازہ ہو سکے۔ اعمال یا تو خودی کو سہارا دیتے ہیں یا اس کی ہلاکت اور تباہی کا سامان پیدا کر دیتے ہیں لہٰذا خودی کی فنا اور بقا کا دارومدار ہمارے اعمال پر ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ ہیں، یہ انسان کو حیاتِ ابدی بخشتے ہیں اور یہی اس کا انعام بھی ہے۔خودی کو اپنی کوشش جاری رکھنا ہوگی تاکہ اس میں حیات بعد از ممات کے حصول کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ انسان کے غیر فنا ہونے کا مضمون علامہ اقبال کی ابتدائی نظموں سے لے کر آخری کلام تک موجود ہے۔بانگِ درا کے حصہ اوّل میں شامل ایک نظم "خُفتگانِ خاک سے استفسار" میں مابعد الطبیعات کے مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟
اُس ولایت میں بھی ہے انساں کا دل مجبور کیا؟
واں بھی جل مرتا ہے سوزِ شمع پر پروانہ کیا؟
اُس چمن میں بھی گُل و بُلبل کا ہے افسانہ کیا؟
تم بتا دو راز جو اس گنبدِ گرداں میں ہے
موت ایک چُبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے(4)

اُمید اور بقا کے شاعر نے "کنارِ راوی" میں حیات کے تسلسل کا مضمون کچھ یوں بیان کیا کہ نہرِ رواں سے تشبیہ دی۔ اس نہر رواں کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ ازلی ابدی ہے وہ باقی ہے۔

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا[5]

اقبال کا تصور "فنا و بقا" اسلامی نظریات کے عین مطابق ہے۔ رب آفرینشِ اول کے بعد دوبارہ انسان کو پیدا کر سکتا ہے وہ قادر مطلق ہے جب چاہتا ہے تو صرف "کُن" کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

"ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے دوسرے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جس کو تم جانتے ہی نہیں اور تم کو خوب علم ہے پیدائش اوّل کا پھر تم سمجھتے کیوں نہیں"[6]

"ایقانِ اقبال" میں پروفیسر منور فرماتے ہیں:

"بقا پر ان کا یہ اعتماد اتنا مستحکم ہے کہ کہیں ڈولتا نظر نہیں ا ـتا"[7]

اپنی نظم "والدہ محترمہ کی یاد میں" اقبال دردِ جدائی کو اُمید اور آرزو میں بدل دیتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی نوید سناتے ہیں۔ اقبال کو نظم میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا لیکن نثر میں بھی اسی مضمون کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں:

"دراصل حیات بعد الموت کوئی خارجی حادثہ نہیں یہ خودی کی اندر ہی ایک حیاتی عمل کی تشکیل ہے اور جسے انفرادی اجتماعی جس لحاظ سے دیکھیے دونوں صورتوں میں محاسبۂ ذات کی وہ ساعت ہے جس میں خودی اپنے گوشۂ اعمال کا جائزہ لیتی ہے اور مستقبل میں اپنے ممکنات کا اندازہ کرتی ہے۔ قرآن مجید کا بھی یہی ارشاد ہے کہ ہم حیاتِ ثانیہ کا قیاس خلقِ اوّل کی مماثلت پر کریں۔"[8]

اقبال کا تصور ہے کہ انسانی خودی برزخ میں بھی تکمیلی مراحل طے کرتی رہتی ہے یعنی زندگی کا تسلسل جاری رہتا ہے:

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے[9]

"لہذا یہ امر کے خودی فنا ہو جائے گی یا اس کا کوئی مستقبل ہے عمل پر موقوف ہے اور اس لیے خودی کو برقرار رکھیں گے تو ہی اعمال جن کی بناء اس اصول پر ہے کہ ہم بلا امتیاز من و تو خودی کا احترام کریں لہذا ابقائے دوام انسان کا حق نہیں اس کے حصول کا دارومدار ہماری مسلسل جدوجہد پر ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم اس کے اُمیدوار ہیں۔"[10]

مغربی مفکرین نے انسانی جسم کے فنا کی بات کی لیکن روح کی جگہ "شعور" کی اصطلاح استعمال کی۔ ولیم جیمز شعور اور دماغ کے تعلق کو سفید روشنی کے کرنٹ سے تشبیہ دیتا ہے جو کہ دماغ سے گزر کر سات رنگوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ شعور وقتی طور پر انسانی دماغ کو استعمال میں لاتا ہے اور موت کے بعد شعور فنا نہیں ہوتا بلکہ زندہ رہتا ہے۔ اقبال کا اس نظریے پر اعتراض یہ ہے کہ اس میں انفرادی خودی کے بقائے دوام کی کوئی صورت نہیں۔ حیات بعد الموت کے کانٹ کے نظریے کے مطابق نیک اور بد اعمال کی سزا اور جزا موت کے بعد ملتی ہے اس مختصر زندگی میں تمام انسانی خواہشات کا مکمل ہونا ناممکن ہے اس لیے حیات دوام پر یقین رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔ اقبال کانٹ کے نظریے کے اخلاقی پہلو کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے مطابق حیات دوام کا مقصد صرف جزا اور سزا کے لیے نہیں۔ نطشے کے "تکرار دوام" کا نظریہ بھی اقبال کے نزدیک تقدیر پرستی کی بدترین قسم ہے، نطشے کا تصور کائنات آئینی جبر پر مشتمل ہے جس میں واقعات ترتیب کے مطابق وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور یہ ترتیب بار بار دہرائی جاتی ہے۔

یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان سب مفکرین نے زمانے اور زندگی دونوں کو نہ سمجھا۔ اقبال نے ماہنامہ The Muslim Revival ماہ ستمبر 1932ء میں ایک مقالہ لکھا تھا جس میں انہوں نے ایک کتاب The Emergence of Life پر تبصرہ لکھا اس میں اقبال نے عیسائی تصورِ آخرت کا اور مسلمانوں کے تصورِ آخرت کا بھی ذکر کیا جس کے مطابق عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام دوبارہ زندہ ہوں گے جب کہ قرآن کے تصور آخرت کے مطابق جب انسان کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالی کے حکم سے وجود میں آیا۔ اسی طرح مر کر دوبارہ اس کا وجود میں آجانا ہرگز عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اقبال کا تصور "فنا و بقا" برگساں کے تصور کی طرح مستقیم لیکن اخلاقی نصب العین کا حامل ہے۔ وہ اس تصور کو قرآن کی آیات سے استدلال کرتے ہیں اور ان آیات سے حاصل شدہ تصورات کی تشریح جدید پیرایہ میں کرتے ہیں۔ اقبال اپنی زندگی کے آخری وقت تک امت مسلمہ کو ایک نصب العین کے تحت متحد اور متحرک دیکھنے کے آرزومند رہے۔ اقبال زندگی اور خودی کی اخلاقی ذمہ داریوں پر ایمان رکھتے ہوئے اُخروی کامیابی اور ناموسِ خودی کے تحفظ پر زور دیتے ہیں۔ وہ زندگی کی اختتامی گھڑی پر شادمانیٔ مرگ کا پیغام دیتے ہیں کہ بقائے دوام کے سفر کی گھنٹی کو زیرِ لب مسکراتے ہوئے سفر کا آغاز کیا جائے۔ اسی لیے جنت میں اس کا استقبال کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

کہتے ہیں فرشتے کہ دلآویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے، کم آمیز ہے مومن (11)

اقبال برزخ، حشر و نشر، جنت اور دوزخ کے اسلامی تصورات میں صرف شاعرانہ تخیل کی آمیزش کرتے ہیں۔ وہ "خفتگانِ خاک" نظم میں یہ سوال کرتے ہیں:

کیا جہنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصدِ تادیب ہے؟(12)

عالم برزخ میں "مردۂ صد سالہ" کہتا ہے:

کیا شے ہے، کس امروز کا فردا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ کُہن! کیا ہے قیامت؟(13)

اس پر قبر بزبان حال یوں جواب دیتی ہے :

اے مردۂ صد سالہ تجھے کیا نہیں معلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت (14)

اقبال کے نزدیک موت اور بقائے دوام میں فرق واضح ہے۔ موت کے بعد نیک یا بد اعمال کی جزا اور سزا ہے۔ جنت اور دوزخ مقامات نہیں بلکہ کیفیات ہیں۔ اقبال جنت کو مستقل ٹھکانہ نہیں تسلیم کرتے اور دوزخ کو ابدی عذاب کا ذریعہ نہیں مانتے۔ یہ خودی کی تربیت و ترقی کے لیے تجربات کا نام ہیں۔ انسان اس تجربہ کے بعد ابدی موت کی صورت میں ابدی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ خودی کے مستحکم ہونے کی صورت میں شخصی حیات بعد موت ممکن ہے۔ بقائے دوام انعام الٰہی کی صورت ہے جو کہ اقبال کے نزدیک شہداء کو ملتی ہے۔ حیات بعد موت پر یقین عقلی دلائل سے ممکن نہیں ہے بلکہ ایمان اس کا بنیادی جزو ہے۔

جدید فزکس توانائی کو مادے کا جوہر مانتی ہے۔ اقبال کے نزدیک انسان کی ہستی روح اور مادے کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ شعورِ ذات کے تسلسل کے ساتھ جڑی ہے۔ اگر انسان اسی تسلسل کے ساتھ منسلک رہتا ہے تو خودی کے اثبات اور استحکام سے غیر فانی ہو جاتا ہے۔ اپنی انفرادیت کو قائم رکھتا ہے تو موت اس کو ختم نہیں کر سکتی بلکہ خودی کی پختگی اسے حیاتِ جاوداں بخشتی ہے یعنی انسان انفرادیت اور جہد مسلسل کے ساتھ اپنی خودی کو حیات دوام بخشتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال "افکارِ جاوید" میں فرماتے ہیں:

"بقائے دوام چونکہ ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے اس لیے انسان الہیاتی تجلیوں سے فیض یاب ہوتے ہوئے ایک درجے سے دوسرے درجے تک آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا"(15)

اقبال کے خیال میں انسان کے سامنے دو راستے کھلے ہیں وہ انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد سے اپنی خودی کو مستحکم بنا سکتا ہے یا بے عملی اور بے حسی کی زندگی اپنا کر اسے کمزور کرتا رہتا ہے خودی کا استحکام اسے بقائے دوام عطا کرتا ہے جبکہ اس کی کمزوری اسے ابدی موت کے سوا کچھ بھی نہیں دیتی۔ ڈاکٹر نعیم احمد لکھتے ہیں:

"حیات استحکام خودی کے لیے مہلت ہے اور موت استحکام خودی کی اولین آزمائش ہے۔اقبال اعمال کے علم خیز اور یا مسرت خیز ہونے کا قائل نہیں اس کے نزدیک اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو خودی کو مستحکم کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو اسے ضعیف بناتے ہیں"(16)

فروغ احمد اپنے مقالہ "اقبال کا فلسفہ خودی اور تصور آخرت" میں لکھتے ہیں:

"حیاتِ اُخروی انسان کے ذوقِ حیات کی شدت پر منحصر ہے جس قدر کسی شخص میں ذوقِ زندگی زیادہ ہو گا اتنا ہی اس کا زمانۂ برزخ کم ہو گا۔شہداء کا ذوقِ زندگی بہت بڑھا ہوا ہے۔اس لیے ان کے لیے کوئی برزخ نہیں۔اس زندگی سے آنکھ بند کرتے ہی ان کے لیے دوسری زندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے"(17)

اقبال خودی کی بلندی کو خیر و شر اور حلال و حرام کے امتیاز سے مشروط کرتے ہیں:

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نِگاہ کے ناخُوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ (18)

خودی اگر درست راہ پر ارتقاء کرے اور عقل اس کے تابع فرمان ہو تو اس کی تقویت اور بلندی کے ساتھ ساتھ یہ اپنی جاودانی حقیقت دنیا سے منوائے گی۔اقبال خودی کے استحکام اور تکمیل کے بعد اس کے اخروی پھل کے حصول کا خواہاں ہے۔وہ چاہتا ہے کہ تمام مسلمان سلامتی کے دائرے میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔اقبال کہتے ہیں:

"یقیناً اسلام انسانی نفسیات کی اس نہایت اہم حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ آزاد عمل کی قوت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تاہم خواہش یہ ہوتی ہے کہ خودی کی زندگی میں یہ قوت ایک مستقل اور نہ ختم ہونے والے عنصر کی حیثیت سے بحال رہے۔قرآن کے مطابق ہماری روزانہ نماز کے اوقات میں یہ خوبی ہے کہ وہ زندگی اور آزادی دینے والے مبداء سے ہمیں قریب تر کر کے خود بخود ہماری خودی کی خود اعتمادی بحال کرتے رہتے ہیں جس سے ہماری خودی نیند اور کاروبار زندگی کے جبری اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔اسلام میں نماز ایک ایسی راہ ہے جس کے ذریعے خودی کو میکانکی جبر سے آزادی کی طرف گریز کا موقع ملتا ہے۔"(19)

اقبال قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں ۔ مسلم فلسفیوں کے نظریات پر بحث کرتے ہیں،مابعد الطبیعیاتی دلائل اور ارتقاء کے جدید نظریے کو بیان کرتے ہیں۔قاضی ابنِ رشد کے مابعد الطبیعیاتی نقطۂ نظر سے بقائے دوام کے مسئلہ پر غور

کرنے کے بعد اقبال نے اسے بے نتیجہ قرار دیا۔ ولیم جیمز اور ابنِ رشد کی شعور کی ماورائی میکانکیت کو رد کرتے ہوئے اُمید اور رجائیت کے رویّوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور انسانی زندگی میں جوش و عمل کی اہمیت کو بیان کیا۔ اقبال کے تصورِ فنا و بقا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال کے نزدیک موت زندگی کا اختتام نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔ انہوں نے مغربی مفکرین جیسے ولیم جیمز، کانٹ اور نطشے کے نظریات کا جائزہ لیا اور بتایا کہ انسان کی اصل اہمیت اس کی خودی یعنی اس کی انفرادیت اور شخصیت میں ہے۔ خطبہ چہارم میں کہتے ہیں:

"زندگی خودی کی سرگرمیوں کے لیے مواقع فراہم کرتی ہے اور موت خودی کی ترکیبی سرگرمیوں کے لیے پہلا امتحان ہے۔ کوئی عمل بھی مسرت افزا اور اذیت ناک نہیں ہوتا وہ صرف خودی کو قائم رکھنے اور اس کو برباد کرنے والے ہوتے ہیں خودی کو اعمال ہی زوال کی طرف لے جاتے ہیں یا انہیں مستقبل کے کردار کے لیے تربیت فراہم کرتے ہیں۔ خودی کو برقرار رکھنے والے عمل کا اصول ہے کہ ہم دوسروں کی خودی کے احترام کے ساتھ ساتھ اپنی خودی کا بھی احترام کریں۔ ذاتی بقائے دوام ہمارا کوئی حق نہیں یہ محض ذاتی کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ انسان صرف اس کے لیے ایک امیدوار سے زیادہ کچھ نہیں۔ مادیت کی سب سے مایوس کن غلطی یہ مفروضہ ہے کہ متناہی شعور اپنے موضوع کے بارے میں ہر طرح کی جامعہ اطلاعات رکھتا ہے۔ فلسفہ اور سائنس موضوع تک پہنچنے کا محض ایک ذریعہ ہیں موضوع تک پہنچنے کے کئی اور راستے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ ہمارے اعمال ہمارے جسم کے ختم ہونے پر بھی ہماری خودی کو برقرار اور قائم رکھ سکیں تو موت بھی ایک راستہ ہے۔ قرآن اس راستے کو برزخ کہتا ہے۔"[20]

اقبال کے مطابق انسان کو اپنی زندگی میں محنت، جدوجہد اور اچھے اعمال کے ذریعے اپنی خودی کو مضبوط بنانا چاہیے۔ اگر انسان اپنی خودی کو مضبوط بناتا ہے تو وہ موت کے بعد بھی اپنی انفرادیت کو برقرار رکھ سکتا ہے اور بقائے دوام یعنی ہمیشہ کی زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس کی نظر بہت تیز ہو جائے گی اور وہ اپنے اعمال کے نتائج کو صاف دیکھ سکے گا۔ جنت اور دوزخ کو صرف جگہیں نہیں بلکہ انسان کی حالتیں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ دوزخ دراصل وہ شدید احساسِ ناکامی اور پشیمانی ہے جو انسان کو اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جبکہ جنت اس خوشی اور کامیابی کا نام ہے جو انسان کو اپنی برائیوں پر قابو پانے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

اسلام میں عذاب کو ہمیشہ کے لیے قرار نہیں دیا گیا بلکہ بعض آیات میں جو "خالدین" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ایک طویل یا مقررہ مدت بھی ہو سکتی ہے۔ دوزخ کو انسان کی اصلاح اور تربیت کا ایک مرحلہ سمجھا جا سکتا ہے، جس کے

ذریعے انسان کی سخت دل خودی نرم اور بہتر بن سکتی ہے۔اسی طرح جنت بھی صرف آرام کی جگہ نہیں بلکہ ایک ایسی حالت ہے جہاں انسان مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے اور خدا کی حقیقتوں کو نئی روشنی میں سمجھتا رہتا ہے۔زندگی دراصل ایک مسلسل سفر ہے جس میں انسان ہر لحہ نئی حقیقتوں اور تجربات سے گزرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک جنت اور دوزخ صرف جگہیں نہیں بلکہ ایسی حالتیں یا کیفیات ہیں جو انسان کے اعمال کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔انسان کے اچھے یا برے اعمال ہی اس کے مستقبل کا تعین کرتے ہیں۔اس طرح اقبال انسان کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ زندگی کو مقصد کے ساتھ گزارنا چاہیے اور ہمیشہ اچھے اعمال کرنے چاہئیں۔موت ایک ایسا راستہ ہے جسے قرآن برزخ کہتا ہے اس برزخ میں جن کی خودی مضبوط ہوگی وہ ابدی زندگی حاصل کریں گے۔اس مادی دور میں جب انسان مستقبل سے مایوس ہو چکا ہے اسے زندگی بے معنی لگتی ہے علامہ اقبال کا تصورِ بقا کا مضمون عام کرنے کی ضرورت ہے اگر انسان ایک اُمید اور اُمنگ کے تحت زندگی گزارے تو نئی نسل مادہ پرستی کی بجائے اپنی زندگی کی اہمیت کو جانتے ہوئے مقصدِ حیات متعین کر سکتی ہے۔اس مقصدِ حیات کے تحت وہ اپنی خودی کو مضبوط کرتے ہوئے بقا کے اس مقام تک پہنچ سکتی ہے جس کا تصور اقبال نے اسلامی نظریات کے مطابق پیش کیا۔مختصر یہ کہ اقبال کا فلسفہ انسان کو امید، عمل اور مسلسل جدوجہد کا درس دیتا ہے۔ان کے نزدیک زندگی خودی کو مضبوط بنانے کا موقع ہے اور موت اس خودی کی آزمائش کا مرحلہ ہے۔جو انسان اپنی خودی کو مضبوط بناتا ہے وہی حقیقی معنوں میں ہمیشہ کی زندگی حاصل کرتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،کلیاتِ اقبال،نیشنل بک فاؤنڈیشن،2017ء۔ص527

2۔ایضاً،ص297

3۔ایضاً،ص266

4۔ایضاً،53

5۔ایضاًص۔105

6۔قرآن مجید،سورہ56 ،آیت60تا62

7۔محمد منور،پروفیسر،ایقانِ اقبال،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور2003ءص106

8۔محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ،بزمِ اقبال،لاہور1986ء،ص182

9۔محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،کلیاتِ اقبال،نیشنل بک فاؤنڈیشن،2017ء۔ص493

10۔محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ،بزمِ اقبال،لاہور1986ء،صفحہ180

11۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، علامہ، کلیاتِ اقبال، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2017ء۔ ص558
12۔ ایضاً، ص55
13۔ ایضاً، ص717
14۔ ایضاً، ص25
15۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکارِ جاوید، اقبال اکادمی پاکستان 1994ء، ص88
16۔ نعیم احمد، ڈاکٹر، اقبال کا تصور بقائے دوام، اقبال اکادمی پاکستان، 1989ء، ص274
17۔ فروغ احمد، اقبال کا فلسفہ خودی اور تصور آخرت مشمولہ اقبالیات، جولائی تا دسمبر، اقبال اکادمی پاکستان، 1962ء، ص36
18۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیاتِ اقبال، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2017ء۔ ص584
19۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، (خطبہ چہارم) "انسانی خودی اس کی ازادی اور لافانیت" (مترجم: ڈاکٹر وحید عشرت) مشمولہ اقبالیات، جنوری تا مارچ، اقبال اکادمی پاکستان، 1998ء، ص59
20۔ ایضاً ص67 تا 68

References in Roman Script:

1. Muhammad Iqbal, Dr., Allama, Kulliyat-e-Iqbal, National Book Foundation, 2017. p. 527
2. Ibid., p. 297
3. Ibid., p. 266
4. Ibid., p. 53
5. Ibid., p. 105
6. The Holy Quran (Surah 56, Ayat 60 to 62)
7. Muhammad Munawwar, Professor, Iqan-e-Iqbal, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2003. p. 106
8. Muhammad Iqbal, Dr., Allama, Tashkeel-e-Jadeed-e-Ilahiyat-e-Islamia, Bazm-e-Iqbal, Lahore, 1986. p. 182
9. Muhammad Iqbal, Dr., Allama, Kulliyat-e-Iqbal, National Book Foundation, 2017. p. 493
10. Muhammad Iqbal, Dr., Allama, Tashkeel-e-Jadeed-e-Ilahiyat-e-Islamia, Bazm-e-Iqbal, Lahore, 1986. p. 180
11. Muhammad Iqbal, Dr., Allama, Kulliyat-e-Iqbal, National Book Foundation, 2017. p. 558
12. Ibid., p. 55
13. Ibid., p. 717
14. Ibid. 25
15. Javid Iqbal, Dr., Afkar-e-Javid (Tashrehat-e-Javid), Iqbal Academy Pakistan, 1994. p. 88
16. Naeem Ahmed, Dr., Iqbal ka Tasawwur-e-Baqa-e-Dawam, Iqbal Academy Pakistan, 1989. p. 274

17. Farogh Ahmed, Iqbal ka Falsafa-e-Khudi aur Tasawwur-e-Akhirat, Mashmoola Iqbaliyat, July to September, Iqbal Academy, 1962, p. 36
18. Muhammad Iqbal, Dr., Allama, Kulliyat-e-Iqbal, National Book Foundation, 2017. p. 584
19. Muhammad Iqbal, Dr., "Insani Khudi, Is ki Azadi aur Lafaniyat (Lecture IV), translated by Dr. Waheed Ishrat, Mashmoola Iqbaliyat, January to March, Iqbal Academy, 1998, p. 59
20. Ibid., pp. 67 to 68